پروفیسر محمد اسلم صاحب ۔ لاہور

بھارت کا تازہ سفر نامہ

امروہہ ـــ مراد آباد ـــ رامپور

حسن پور میں جب میں نے اپنے میزبان سے رخصت مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ میرے ساتھ امروہہ تک چلیں گے اور میری ملاقات مولانا نسیم احمد فریدی سے کرائیں گے۔ گجرولہ اور امروہہ کے درمیان صرف ایک ریلوے سٹیشن کا فاصلہ پڑتا ہے۔ اس لئے ہم جلد ہی امروہہ پہنچ گئے۔ ہم جھنڈا شہید میں مولانا نسیم احمد فریدی کی قیام گاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آنجناب کسی جنازے میں شرکت کے لئے قبرستان گئے ہوئے ہیں۔ عزیز الٰہی صاحب فوراً قبرستان پہنچے اور انہیں اپنے ساتھ ان کی قیام گاہ پر لے آئے۔

مولانا فریدی نے چائے اور پھلوں کے ساتھ ہماری تواضع کی اور اپنی کئی تصانیف مجھے عنایت فرمائیں۔ ان کے ساتھ بڑی دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو رہی۔ میری استدعا پر انہوں نے اپنے ایک عقیدت مند کو میرے ساتھ کیا اور میں اس کی رہنمائی میں سلطان معز الدین کیقباد (م ۱۲۹۰ء) کی تعمیر کردہ جامع مسجد دیکھنے گیا۔ اس مسجد کا شمار پاک و ہند کی قدیم ترین مساجد میں ہوتا ہے۔ یہ مسجد بڑی وسیع ہے اور اس کے تین در اور تین ہی گنبد ہیں۔ بعد میں کسی نے دو دروں کا اضافہ کر دیا ہے۔ ان دنوں اس مسجد کی تولیت کے بارے میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ اس لئے وہاں نماز موقوف ہے اور مسجد ویران پڑی ہے حالاں کہ اس مسجد کا بانی سنّی تھا اور اس زمانے میں پاک و ہند میں شیعوں کا وجود نہ تھا۔ کیقباد کی مسجد دیکھنے کے بعد میں نے محمود احمد عباسی کا گھر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو میرا رہنما بلا تامل مجھے وہاں لے گیا۔

عباسی مرحوم کے گھر سے ہم شاہ ولایت حسین ابن علی نقوی واسطی سہروردی المعروف بہ بچھوؤں والے پیر کا مزار دیکھنے گئے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے ان کی اولاد شیعہ ہو چکی ہے اور ان کا غلو فی الدین مشہور ہے۔ اس بزرگ کے مزار پر بچھوؤں کے لکڑی اور لوہے کے بڑے بڑے مجسمے آویزاں ہیں اور زندہ بچھو بھی درگاہ کے احاطے میں چلتے پھرتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہاں کے عوام کا یہ کہنا ہے کہ شاہ ولایت کی کرامت سے احاطہ مزار کے اندر بچھو ڈنگ نہیں مارتے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے ہمیں بتایا کہ جدید تحقیق کے مطابق صدیوں پرانے قبرستان میں فاسفورس کی مقدار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہاں رہنے والے سانپوں اور بچھوؤں کا زہر ختم ہو جاتا ہے۔

امروہہ کی آبادی سے باہر جنگل میں شاہ نصیر الدین چشتی کا مزار ہے۔ یہ حضرت وہاں گدھوں والے پیر کے

لقب سے مشہور ہیں۔ دراصل ان کے مزار کے نواح میں سال بھر سبزہ اگا رہتا ہے اس لئے آوارہ گدھے وہاں جا پہنچتے ہیں اسی بنا پر لوگوں نے انہیں گدھوں والے پیر کے نام سے مشہور کر دیا۔

امروہہ پچھلے وقتوں میں اللہ والوں کی بستی تھی۔ وہاں کے باشندے آم اور روہو مچھلی کھانے کے بڑے شوقین تھے اس لئے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا نام امروہہ پڑ گیا۔ اس قصبے میں آبادی کے اندر شاہ عضدالدین کی درگاہ ہے۔ ایک بڑے دالان میں شاہ جمال الدین چشتی صابری شاہ عضدالدین۔ شاہ معزالدین میاں موج۔ شاہ علاؤالدین۔ شاہ قیام الدین اور ان کی اہلیہ۔ شاہ سعیدالدین۔ شاہ نظام الدین اور ان کی اہلیہ اور شاہ بدرالدین محوِ خواب ابدی ہیں۔

شاہ عضدالدین سے شاہ عبدالہادی نے خرقۂ خلافت پایا۔ اور ان کے جانشین ان کے پوتے شاہ عبدالباری کے خلیفہ سید عبدالرحیم فاطمی شہید بالاکوٹ تھے۔ جن کی خدمت میں رہ کر میاں جی نور محمد جھنجھانوی نے منازل سلوک طے کی تھیں۔ اس طرح ہمارے اکابر دیوبند کے روحانی سلسلہ کے تین بزرگ امروہہ میں محوِ خواب ابدی ہیں۔

امروہہ کی جامع مسجد بھی قابلِ دید ہے۔ اس وسیع مسجد میں ایک مدرسہ بھی قائم ہے۔ جس کا تاریخی نام "افضل المدارس" ہے۔ اس مدرسہ کے بانی مولانا احمد حسن امروہی کو حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی سے شرفِ تلمذ تھا۔ مسجد کے جنوب مشرقی کونے میں مولانا احمد حسن (م ۱۹۱۱ء) مفسرِ قرآن مولانا عبدالرحمٰن صدیقی (م ۱۹۴۹ء) اور مولانا عبدالقدوس (م ۱۹۶۷ء) کی قبریں ہیں۔ اس مدرسہ میں ایک ہزار سے زائد طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد طاسین (مجلس علمی کراچی والے) بھی اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ اور علامہ عبدالعزیز میمن بھی اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔

مدرسہ کے دفتر اہتمام میں ناظم مدرسہ مولانا فضل الرحمن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جب میرے رہنما نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے حوالے سے میرا تعارف کرایا تو موصوف نے بڑی شفقت کا اظہار فرمایا اور تادیر مدرسہ کے بارے میں میرے سوالات کا جوابات دیتے رہے۔

جامع مسجد کے عقب میں ایک وسیع جوہڑ ہے اور اس کے پار عبدالکریم انٹرمیڈیٹ کالج کی عمارت ہے۔ امروہہ کے اس کالج کا شمار اس علاقے کے اہم علمی مراکز میں ہوتا ہے۔

امروہہ کے گرد و نواح میں آم بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہاں آم کی لکڑی سے ڈھولک اور لکھنے والی تختیاں بنائی جاتی ہیں۔

امروہہ ریل اور سڑک کے ذریعہ مراد آباد سے ملا ہوا ہے۔ گجرولہ سے مراد آباد جانے والی سڑک امروہہ سے چار میل کے فاصلے سے گذرتی ہے۔ میں اور عزیز بزالہٰی اخون ایک ٹیمپو میں سوار ہو کر مین روڈ پر پہنچے۔ اور وہاں سے بس

میں سوار ہو کر رجب پور ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچ گئے۔ رجب پور میں لب سڑک حضرت بہاؤالدین فریدی کا مزار ہے۔ وہاں ہونے والے عرس کی مکمل کارروائی آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے۔ راقم نے ایک بار پوری کمنٹری سنی تھی۔ لیکن مزار کا محل وقوع معلوم نہ ہو سکا اس لئے جب میں نے اس بزرگ کی درگاہ دیکھی تو پرانی یاد پھر تازہ ہو گئی۔

مراد آباد پہنچ کر ... گ ...

... ن ہیں۔ اور ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے باوجود موصوف کئی ممالک کا تبلیغی دورہ کر چکے ہیں۔ ان سے مل کر طبیعت بے حد خوش ہوئی۔ ان کے اخلاق و اطوار قرنِ اوّل کے مسلمانوں جیسے ہیں۔ موصوف نے چائے اور پھلوں کے ساتھ ہماری تواضع کی۔ اور اپنی کئی تصانیف مجھے عطا فرمائیں۔

مولانا افتخار فریدی نے دوران گفتگو فرمایا کہ مراد آباد میں منشی نورالحسن نام کے ایک صاحب رہتے تھے جو میونسپل بورڈ کے صدر اور شہر کے رئیس اعظم تھے۔ ان کے ایک بیٹے کو علامہ اقبال کا پورا کلام ازبر تھا۔ اسی زمانے میں تحریک خلافت کے روح رواں مسعود الحسن بیرسٹر کی صاحبزادی کی شادی سر محمد شفیع کے بیٹے سے ہونا قرار پائی۔ لاہور سے برات کے ساتھ علامہ اقبال بھی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے ان دنوں وہ بچہ علیل تھا۔ جب منشی صاحب نے علامہ اقبال سے اس بچے کے حافظے اور علالت کا ذکر کیا تو علامہ فوراً اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور بچے کی دلجوئی کے لئے اسے اپنا کلام سنایا۔

مولانا افتخار فریدی سے اجازت لے کر ہم بس اسٹینڈ پہنچے۔ میرے میزبان تو حسن پور جانے والی بس میں سوار ہو گئے اور میں رام پور روانہ ہو گیا۔ یہ میرا رام پور کا چوتھا سفر تھا۔

رضا لائبریری رام پور | رام پور پہنچتے ہی میں نے ٹورسٹ ہوٹل میں قیام کیا۔ اور بعجلت ممکنہ رضا لائبریری پہنچا۔ اس لائبریری کو عرف عام میں کتابوں کا تاج محل کہتے ہیں۔ قلعہ کے اندر نواب رام پور کا ایک عالی شان مہمان خانہ تھا جس میں وائسرائے اور گورنر آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ جب سردار پٹیل کے ہاتھوں ریاستوں کا خاتمہ ہوا تو یہ عمارت حکومت ہند کی تحویل میں چلی گئی اب یہ عمارت لائبریری کا کام دے رہی ہے۔

بھارتی پارلیمنٹ کے ایک بل کی رو سے وفاقی حکومت کا قائم کردہ ایک بورڈ لائبریری کا نظام چلا رہا ہے۔ اس لائبریری میں مطبوعہ کتابوں کو چھوڑ کر اس وقت سترہ ہزار قلمی کتابیں ہیں۔ اور ان میں ایسے مخطوطے بھی ہیں جن کا کوئی دوسرا نسخہ کہیں نہیں ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے صدہا سالہ دورِ حکومت کی تاریخ و ثقافت کے کسی بھی پہلو پر ریسرچ کرنے والے اسکالر کے لئے اس لائبریری سے استفادہ کرنا لابد ہے۔ میں نے رام پور میں اپنے قیام کے

دوران میں شاہ ابو اسحاق قادری لاہوریؒ کی تصنیف رسالہ ناطقہ، شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف المقدمۃ السنیہ، شاہ عبدالعزیز محدثؒ کی تالیف سانگیت شاستر اور محمد صالح کولابی کی تصنیف "رسالہ در احوال و اعمال و عقائد حضرت مجدد الف ثانیؒ" سے استفادہ کیا۔ میں نے مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے دور نظامت میں بھی اس لائبریری میں بیٹھ کر کام کیا ہے۔ مرحوم سے کسی کتاب کا ذکر کرتا، تو موصوف فوراً وہ کتاب نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیتے۔ اب وہ بات ہی نہیں رہی کتاب تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملتی۔ اس لئے اس لائبریری کو کتابوں کا گودام کہنا مناسب ہو گا۔ مولانا عرشی کی عمر اسی لائبریری کی خدمت کرتے ہوئے گذری۔ اور ان کی قبر بھی لائبریری کے پہلو میں ہے۔

شام کے وقت احباب رام پور نے صولت لائبریری میں ایک جلسے کا اہتمام کیا، جہاں پاکستان میں فروغ ادب اور تعلیم و تعلم کے موضوع پر میری تقریر ہوئی۔ تقریب کے اختتام پر جامع مسجد میں، جو صولت لائبریری کے قریب ہے تمام حاضرین نماز ادا کرنے گئے۔ یہ مسجد نوابی دور کی یادگار ہے۔ نماز کے بعد ایک شخص نے کہا کہ مجھے نماز میں شریک دیکھ کر انہیں بڑا تعجب ہوا اور خوشی بھی۔ تعجب اس لئے کہ رام پور میں یہی مشہور ہے کہ جو شخص یہاں آکر نماز نہ پڑھے تو سمجھ لیجئے کہ وہ پاکستان سے آیا ہے اور جو عورت بے پردہ نظر آئے تو وہ بھی یقیناً پاکستانی ہو گی۔ یہ ہے پاکستان کا IMAGE جو ہم نے ہمسایہ ملک میں دیا ہے۔

اگلے دن میں دوبارہ لائبریری گیا اور سارا دن وہیں گذارا۔ چار بجے لائبریری بند ہوئی تو میں محلہ راجدوارہ کی مسجد میں ملا غیاث الدین کی قبر دیکھنے گیا۔ موصوف غیاث اللغات کے مصنف اور نواب کلب علی خان والئے رام پور کے استاد تھے۔ شارح قصائد بدر چاچ اور صوت الناقوس کے مصنف عثمان خان نفیس کو بھی ان سے تلمذ تھا۔ ملا غیاث الدین کے لوحِ مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

مولوی غیاث الدین عزت

مؤلف غیاث اللغات ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ

ان کے پائنتی ان کے فرزند مولوی قمر الدین المتوفی ۲۷ رمضان ۱۲۹۸ھ کی قبر ہے۔

راجدوارہ سے میں سیدھا مدرسہ فرقانیہ پہنچا۔ مدرسے کی مسجد کے عقب میں کئی قبریں ہیں جن میں سے میاں سید نظام الدین کی قبر قابلِ ذکر ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے یہ دو اشعار زبان زدِ خلائق ہیں۔

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ
دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

میاں نظام الدین کے لوحِ مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

کسی کی دوست نہیں ہے یہ دشمن ہے
فضول ہے جو کوئی دل لگائے دنیا سے
یہ ذی کمال کو تو دیکھ ہی نہیں سکتی
خدا پناہ میں رکھے بلائے دنیا سے
غضب کی بات ہے افسوس دیکھ اے محمودؔ
میاں نظام گئے ہائے ہائے دنیا سے
۱۲۸۹ھ

مدرسہ فرقانیہ کے صدر مدرس اور روحِ رواں مولانا وجیہہ الدین احمد خان قادری مجددی ہیں جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ موصوف کے مرشد وزیر محمد خان صاحب بریلوی مسلک کے عالم تھے لیکن انہوں نے اپنے مرید باصفا کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند بھیجا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا وجیہہ الدین احمد خان صاحب فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو گئے گذشتہ سفر میں جب میں رام پور گیا تو ان دنوں میں مدرسہ فرقانیہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ مولانا نے اس موقع پر والدین معہ کے موضوع پر میری تقریر کرائی تھی۔

اگلے روز میں حکیم محمد حسین خان شفاؔ کے ساتھ رام پور کے مشہور عالم مولانا ارشاد حسین مجددی کا مزار دیکھنے گیا ان کے علمی مقام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں مولانا شبلی نعمانی، نواب کلب علی خان اور حافظ عنایت اللہ مجددی جیسے فضلاء کے نام آتے ہیں۔ ان کے احاطہ مزار میں مولوی سلامت اللہ خان کی بھی قبر ہے۔ یہ بزرگ رام پور کے احمد رضا خان تھے۔

حافظ عنایت اللہ مجددی کی قائم کردہ خانقاہ عنائتیہ کے موجودہ سجادہ نشین جناب محمد اللہ خان صاحب سے میری پرانی واقفیت ہے۔ ہماری پہلی ملاقات ۱۹۵۰ء میں سرہند شریف میں ہوئی تھی۔ اس بار انہوں نے اصرار کیا کہ میں جب بھی رام پور آیا کروں، خانقاہ عنائتیہ میں قیام کیا کروں۔ اسی خانقاہ کے احاطے میں رام پور کے نامور شاعر محشر عنایتی کی قبر ہے۔

رام پور میں حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کے خلیفہ حضرت شاہ قطب الدین مجددیؒ کے مرید باصفا حافظ جمال اللہ المتوفی ۳ صفر ۱۲۰۹ھ کی درگاہ مرجع خلائق ہے۔ ان کے مزار کے سفید فاش دار گنبد میں سیاہ دھاریاں بڑا حسن پیدا کرتی ہیں۔ مقبرے کی پیشانی پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

آں شاہ جمال قطب عالم — خوش رفت بجلوہ گاہ وحدت
تاریخ فنای باتقایش — سیر علم مقبرہ حیرت
۱۲۰۹ھ

اسی درگاہ کے احاطے میں حضرت شاہ ابوسعید مجددی کے فرزندارجمند شاہ محمد عمر مجددیؒ محو خواب ابدی ہیں "افسوس فتاد برج عرفان" (۱۲۹۸ھ) سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ان کے پہلو میں ان کے مرید خاص اور والئی رام پور نواب کلب علی خان کی قبر ہے۔ "مزار نواب خلد آشیاں" (۱۳۰۴ھ) سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ حضرت حافظ جمال اللہ کے روضہ مبارک کی پائنتی جانب نواب حامد علی خان کے والد نواب مشتاق علی خان کی قبر ہے۔ اس سے حافظ صاحب کے ساتھ والیان رام پور کی عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔

رام پور میں حافظ جمال اللہ سے بھی زیادہ شہرت ان کے خلیفہ شاہ درگاہی کی ہوئی۔ ان کی درگاہ رام پور میں مرجع خلائق ہے۔ ان کے مزار کا گنبد ہو بہو حافظ صاحب کے مزار کے گنبد جیسا ہے۔ لیکن اس گنبد کا رنگ سبز ہے۔ شاہ درگاہی اصلاً پنجابی تھے۔ اور ان کا وطن گجرات تھا۔ رام پور میں موصوف اپنے نام کی بجائے قطب صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔ درگاہ کے احاطے میں منّی بیگم دختر نواب حامد علی خان کی قبر بڑی نمایاں ہے۔ رشید نام کے کسی شاعر نے اس کی تاریخ یوں کہی ہے ؎

بولا ہاتف سال رحلت اے رشید
آ گئی باغ جناں میں بے عدیل
۱۳۲۴ھ

صولت لائبریری میں جماعت اسلامی رام پور کے عمائدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اگلے روز مرکزی درس گاہ اسلامی میں مجھے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی۔ رام پور میں جماعت اسلامی نے ایک مثالی تعلیمی ادارہ قائم کیا ہے جہاں تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیا جاتا ہے۔ مسلم طلبہ دور دور سے وہاں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ ہوسٹل کا انتظام بھی متدین اور مخلص لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

دوپہر کے وقت حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خان کے ہاں میری دعوت تھی۔ حکیم محمد حسین خان شفا اور مولانا کے نواسے جناب شعائر اللہ خان بھی دستر خوان پر تھے۔ مولانا کے ساتھ بڑی عالمانہ گفتگو رہی۔ رخصت ہوتے وقت مولانا شعائر اللہ خان نے اپنے ناناجان کی تصانیف کا ایک سیٹ مجھے عطا فرمایا۔

حکیم محمد حسین خان شفا رضا لائبریری میں کیٹلاگر ہیں اور فارغ اوقات میں مطب بھی کرتے ہیں۔ موصوف صاحب طرز ادیب ہیں۔ اور مقامی روزناموں میں "کشکول شفا" کے عنوان سے اپنا حاصل مطالعہ چھپواتے رہتے ہیں۔ قومی سطح کے علمی جرائد میں ان کے فاضلانہ مضمون گاہے ماہے چھپتے رہتے ہیں۔ اس عاجز کے ساتھ ان کی باقاعدہ خط وکتابت رہتی ہے۔

گھر پیپل والا کے ایک علم دوست نوجوان تنویر احمد خان بھی تمام وقت میرے ساتھ رہے۔ انہوں نے دو کتابیں ڈاکٹر بینی پرشاد کی تاریخ جہانگیر اور ہارون خان شروانی کی دکن کے بہمنی سلاطین عنایت کیں۔

حکیم محمد حسین خان شفاؔ کا مکان مدرسہ کہنہ کے قریب واقع ہے۔ اس مدرسہ کے صحن میں عالم اجل ملا حسن فرنگی محلی اور خواجہ میر درد کے شاگرد رشید قائم چاند پوری کی قبریں ہیں۔ ہمارے فاضل دوست، اور بزرگ حکیم نیر احمد خان صاحب رام پوری ثم لاہوری کا مکان بھی اسی محلے میں ہے۔

ایک دن میں بازار سے گذر رہا تھا اور حکیم شفا میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے نواب رام پور کے اصطبل کی دو تاریخی عمارت دکھائی جس میں نواب فصیح الملک داغ کا تقرر بطور داروغہ ہوا تھا۔ نواب موصوف کا رنگ سیاہی مائل تھا اصطبل اور داغ کی نسبت سے ان پر یہ پھبتی کسی تھی:

شہر دہلی سے آیا ایک منشی
یہاں آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا

نواب رام پور کے ہاتھی خانے میں اب محکمہ شہر نا رکھی آباد ہیں۔ نوابی ریلوے سٹیشن میں، جو نوابی دور میں صرف نواب صاحب کی سپیشل ٹرین کی آمد و رفت کے لئے مخصوص تھا۔ اب ہیال ہوٹل کے نام سے ایک ریسٹوران کھل گیا ہے جس گاڑی میں نواب صاحب رام پور شاہانہ ٹھاٹھ سے سفر کیا کرتے تھے۔ اب عوام اس میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ ایوان شاہی، جہاں نواب صاحب دربار لگایا کرتے تھے اب ہوٹل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس ایوان کے ایک حصے میں اب تک نواب صاحب کا تخت اور قیمتی اشیاء محفوظ ہیں۔ دربار ہال اب عجائب گھر بن گیا ہے۔ ان عمارات کو دیکھ کر تلک الایام نداولہا بین الناس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

بقیہ از ص ۱۶

وہ چیز ہے ایمان و فقہ اور حکمت۔

اے نوجوانو! تم اس سے کہیں زیادہ اہم رول ادا کر سکتے ہو اور انسانیت کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بن سکتے ہو۔ بلکہ کولمبس نے بغیر کسی نیت و ارادہ کے براعظم امریکہ کا اکتشاف کر لیا تھا۔ یہ کہ تم اپنی قوم و ملک میں اور عالم اسلام کے گوشوں میں نئے عالم کا اکتشاف کر سکو اور اس ایمان سے فائدہ اٹھا سکو۔ یہ وہ ایمان ہے جو سرنبوت کی دین اور عطیہ الٰہی ہے۔

بس یہی بات مجھے عرض کرنی تھی۔ میں نہایت مسرور و خوش ہوں اس مبنی ایمان سے معمور، پاک باز، زندہ و تابندہ مجمع کو دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی و مسرت ہے اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ میں کہتا ہوں آپ نئے عالم میں آئیں۔ نئی دنیا کا انکشاف کریں۔ ہلکی پھلکی چیز پر قانع نہ ہو جائیں بلکہ ان مدفون خزانوں کی فکر کریں اور نامعلوم ذخیروں کی تلاش کریں جو ایمان و یقین سے لبریز دلوں کی سرزمین میں نہاں ہیں۔